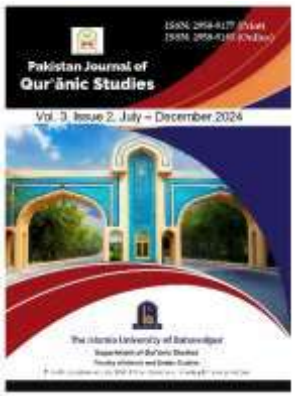



# Pakistan Journal of Qur'ānic Studies

ISSN Print: 2958-9177, ISSN Online: 2958-9185
Vol. 3, Issue 2, July – December 2024, Page no. 131-151
HEC: https://hjrs.hec.gov.pk/index.php?r=site%2Fresult&id=1089226#journal_result
Journal homepage: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs
Issue: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/issue/view/206
Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/article/view/3509
DOI: https://doi.org/10.52461/pjqs.v3i2.3509
Publisher: Department of Qur'ānic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan


**Title** **Causes of Civil War in Syria and the Challenges Faced by Refugees: A Research Analysis**


**Author (s):** **Fatima Hassan**
MPhil Scholar, Deptt. of Islamic Learning, Federal Urdu University Abdul Haq Campus Karachi.

**Dr. Muhammad Mehrban Barvi**
Assistant professor, Department of Islamic Learning, Federal Urdu University Abdul Haq Campus Karachi,
m.mehrbanbarvi@fuuast.edu.pk



**Received on:** 10 December, 2024
**Accepted on:** 18 December, 2024
**Published on:** 30 December, 2024

**Citation:** Fatima Hassan, and Dr. Muhammad Mehrban Barvi. 2024. "سرزمین شام میں خانہ جنگی کے اسباب اور مہاجرین کے مسائل: ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ: Causes of Civil War in Syria and the Challenges Faced by Refugees: A Research Analysis". *Pakistan Journal of Qur'ānic Studies* 3 (2):131-51. https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/article/view/3509.

**Publisher:** The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.



All Rights Reserved © 2024 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

# سرزمین شام میں خانہ جنگی کے اسباب اور مہاجرین کے مسائل: ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

# Causes of Civil War in Syria and the Challenges Faced by Refugees: A Research Analysis

**Fatima Hassan**
MPhil Scholar, Deptt. of Islamic Learning, Federal Urdu University, Abdul Haq Campus Karachi.
**Dr. Muhammad Mehrban Barvi**
Assistant professor, Department of Islamic Learning, Federal Urdu University, Abdul Haq Campus Karachi, m.mehrbanbarvi@fuuast.edu.pk

## *Abstract:*

*Greater Syria was a collection of sacred Islamic countries before the era of colonialism, which included Palestine, Jordan, Lebanon, Turkey, and present-day Syria. Present-day Syria is now referred to as "Syria," which was under the influence of the Byzantine government before Islam. However, during the time of Umar ibn al-Khattab, all the cities of Syria were brought into the fold of Islam. The land of Syria was a center for the political and religious activities of various prophets before the arrival of the Prophet Muhammad (peace be upon him), which is why Muslims, Jews, and Christians—all people of the Book—consider this land sacred. The Prophet Muhammad (peace be upon him) declared Syria to be a source of goodness and blessings for the Muslim Ummah, and in the blessed Hadiths, he described signs that indicate Syria will hold religious and political significance in the world before the Day of Judgment. In the present era, Syria and its neighboring countries are plagued by conflicts, influenced by American and European conspiracies aimed at weakening the military power of Arab countries and fracturing the Muslim Ummah. From the very beginning, the destruction of Syria has seen a significant role played by Jews and Christians, as they consider Muslims their enemies and are making every effort to establish their authority in Syria. In this context, present-day Syria has been completely devastated, and millions of Muslims have migrated to other Islamic and non-Islamic countries. Initially, this paper analyzes the Islamic history of Syria and examines it according to the Quran and Hadith. Continuing with this analysis, it provides a comprehensive overview of the current devastations in Syria, such as political instability, sectarian violence, civil war, and the tyrannical rule of Hafiz al-Assad and Bashar al-Assad. It also sheds light on the migration of Muslims and their issues. Thus, the aim of this research paper is to clarify the political and religious status of Syria in light of the teachings of the Quran and Sunnah, and to present the difficulties and problems faced by contemporary Syrian refugees, so that an accurate reflection of the situation in the region can be achieved.*

***Keywords:*** *Syria, Umar ibn al-Khattab, Hafiz al-Assad, Bashar al-Assad, refugees, Byzantine, Palestine.*

Article Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/article/view/3509

## تمہید:

زیر بحث مقالے میں موجودہ دور کے شام کے سیاسی و مذہبی حالات اور واقعات کا تجزیہ کیا گیا ہے کیونکہ ملک شام میں فرقہ واریت اور خانہ جنگی کی وجہ سے جنگ جاری ہے جس کی وجہ سے لاکھوں مسلمان شہید ہو چکے ہیں اور اس سے بھی زیادہ تعداد میں مسلمان ہجرت کر کے اسلامی ممالک اور غیر اسلامی ممالک میں رہائش اختیار کر چکے ہیں یا خیمہ بستیوں میں اپنی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ اس مقالے میں ابتدائی طور پر مذہبی اعتبار سے شام کی جغرافیائی اور اسلامی حیثیت پر بحث کی گئی ہے اور اس کے بعد عصر حاضر میں شام کے جنگی حالات اور مہاجرین کی ہجرت سے متعلق حالات و واقعات پر جامع بحث کی گئی ہے۔ اس مقالے میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ شام مسلمانوں یہودیوں اور عیسائیوں تینوں اہل کتاب کے لیے انتہائی مقدس اور اہمیت کا حامل ہے اور موجودہ شام کے زوال اور تباہ کاریوں کے پس منظر اور نتائج میں تینوں اہل کتاب کا سیاسی اور مذہبی کردار بھی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دنیا کے آخری ادوار میں ملک شام کو عالم اسلام کا اہم مرکز قرار دیا ہے۔

## موضوع کی اہمیت وضرورت:

موجودہ دور میں امت مسلمہ کے مسائل اور زوال کے اعتبار سے اس مقالے کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ بلاد شام میں مختلف مقدس اسلامی ممالک شامل ہیں، جہاں آج جنگی حالات اور مغربی سازشوں کی وجہ سے نہ صرف مسلمانوں کی حکومت تباہ و برباد ہو چکی ہے بلکہ مسلمان "مہاجرین" کی صورت میں دوسرے ممالک کی سرحدوں پر امداد کے منتظر ہیں۔ لہذا ان عوامل کے نشاندہی بہت ضروری ہے جن کی وجہ سے آج بلاد شام میں شامل تمام ممالک زبوں حالی کا شکار ہیں۔

- عرب جمہوریہ سوریہ کی سرحدیں لبنان، اردن اور فلسطین کی سرحدوں سے ملتی ہیں جہاں شامی مہاجرین پناہ گزین ہیں۔ لہذا اس مقالے میں سب سے پہلے ان اسباب اور حالات و واقعات کو بیان کیا گیا ہے جن کی وجہ سے شام میں مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔
- عرب جمہوریہ سوریہ سے ملحق اسلامی ممالک اندرونی اور بیرونی اختلافات کا شکار ہیں جس کی وجہ سے مہاجرین کی امداد پر برے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس مقالے میں مہاجرین کی ہجرت اور ان کے مشکلات پر جامع بحث کی گئی ہے۔
- اس مقالے کے ذریعے شام میں تباہ کاریوں کے حالات و واقعات اور مہاجرین کے ہجرت و مسائل کو اس لیے بھی اجاگر کیا گیا ہے، تاکہ امت مسلمہ اور دیگر غیر مسلم اقوام کے سامنے حالات کی صحیح عکاسی ہو اور جنگی حالات اور مہاجرین کے مسائل کا صحیح طور پر تدارک کیا جاسکے۔

مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں زیر بحث مقالہ تحریر کیا گیا ہے اور انہی عوامل کی وجہ سے یہ مقالہ عصر حاضر میں سیاسی اور مذہبی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔

**سابقہ کام کا جائزہ:**

شام کے حالات و واقعات پر مختلف محققین نے بین الاقوامی سطح پر مقالے تحریر کیے ہیں جس میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ شام میں ہونے والے حادثات، مظالم اور ان کے پس منظر کو بیان کیا ہے۔ ذیل میں چند محققین کے مقالے بیان کیے جارہے ہیں جس کی وجہ سے ملک شام کی تحقیق پر سابقہ کام کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

1. سامي كليب، الاسد بين الرحيل والتدمير الممنهج: الحرب السورية بالوثائق السرية، دار الفارابي، بيروت، لبنان، 2016

2. Aziz-ur-Rehman(Mphil scholar),Research Article: SYRIAN CIVIL WAR & STRUGGLE FOR SURVIVAL OF ASSAD REGIME AND ITS IMPACTS ON WIDER MIDDLE EAST ,LAP Lambert Academic Publishing,Gomal University,ISBN: 978-620-3-19495-1, December 2015

3. Brian Michael Jenkins,The Dynamic's of Syria's Civil War,RAND Corporation,doc no: PE-115,2014

**شام کی اسلامی تاریخ:**

اسلامی تاریخ میں بلاد شام کو سیاسی اور مذہبی اعتبار سے فضیلت اور اہمیت حاصل ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تمام تر انبیاء اور رسولوں کا تبلیغی مرکز "بلاد شام" رہا ہے۔ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں بلاد شام چار اہم شہروں کا مرکز تھا، جس میں فلسطین، اردن، سوریا اور لبنان کے ممالک شامل تھے۔ جغرافیائی اعتبار سے چاروں ممالک کو مجموعی طور پر "ملک الشام" کہا جاتا تھا لیکن موجودہ دور میں عربی زبان میں "عرب جمہوریہ سوریا" کہا جاتا ہے، انگریزی زبان میں سیریا (Syria) کہا جاتا ہے اور اردو زبان میں شام کہا جاتا ہے۔ قبل از اسلام ملک شام رومیوں اور بازنطینیوں کا مرکز رہ چکا ہے جہاں کے رہنے والے عیسائیت کے پیروکار تھے اور عیسائی راہب سیاسی, حکومتی اور فوجی سطح پر اہم مقام اور منصب کے حامل تھے۔[1] سن 13 ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں عراق اور ایران کی فتوحات کے بعد ملک شام کو فتح کیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کی بہترین جنگی حکمت عملی کے تحت ملک شام کے مختلف شہروں کا محاصرہ کیا گیا اور فتوحات کا دائرہ

(1) مقبول احمد سلفی، بلاد-شام--تاریخ-وفضیلت-اور-موجودہ-شام-سوریا. forum.mohaddis.com/threads/34695

وسیع کرتے ہوئے بیت المقدس کا بھی محاصرہ کیا گیا اور بالاخر رومیوں اور عیسائیت کے تسلط کے بعد مسلمانوں کا قبلہ اول عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ملک شام کے تمام شہروں پر اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے صحابہ کرام کو بطور گورنر تعینات کیا تاکہ قران و سنت کی تعلیمات کے مطابق بلاد شام کے تمام سیاسی, سماجی ,معاشی اور فوجی نظام کو ترتیب دیا جاسکے۔ اسی دور میں بیت المقدس میں ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی جسے "مسجد عمر" بھی کہا جاتا ہے جو کہ مسجد اقصی کے قرب وجوار میں واقع ہے۔ دور فاروقیؓ میں ملک شام کے تمام شہر اسلامی نظام کے ماتحت ہو چکے تھے اور بعد ازاں حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد اموی دور خلافت میں بھی ملک شام کا شہر "دمشق" عالم اسلام کا مرکز بن گیا جہاں سے اسلامی علوم وفنون اور ثقافت نے بتدریج ترقی کے منازل طے کیے (1947-1923) کے درمیان عثمانی دور حکومت تک بلاد شام اسلامی حکومت کا حصہ تھے لیکن دور استعمار میں برطانیہ اور فرانسیسی سازشوں اور غلبے کی وجہ سے بلاد شام کو چار ممالک میں تقسیم کر دیا گیا جس کے بعد اردن، لبنان، فلسطین اور سوریہ علیحدہ ممالک کی صورت میں کرہ ارض پر وجود میں آئے یہی وجہ ہے کہ آج ملک شام کو "سوریا" کہا جاتا ہے۔[2]

## تاریخی اور مذہبی اعتبار سے ملک شام کی اہمیت:

بلاد شام انبیاء کرام کے ادوار سے ہی سیاسی اور مذہبی اعتبار سے اہمیت کے حامل رہے ہیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق کے شہر بابل سے ایمان اور عمل کی سلامتی کے لیے ہجرت کی تو انہوں نے ملک شام کو اپنا سیاسی اور مذہبی محور اور مرکز بنایا۔ آپ نے اہل شام کو اللہ کی وحدانیت کا درس دیا اور سیاسی اعتبار سے مذہب اسلام کی بالادستی کو قائم کیا۔ اس کے بعد آپؑ کی اولاد اسحاقؑ اور ان کے بعد یعقوبؑ نے ملک شام میں مذہبی اصلاحات کو فروغ دیتے ہوئے سیاسی اصلاحات کو نافذ کیا یہاں تک کہ حضرت یوسفؑ نے شام سے متصل مصر میں مذہب اسلام کو اجتماعی طور پر ملک کا سیاسی قانون بنا دیا۔ یعقوبؑ کے بعد بنی اسرائیل میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام مبعوث ہوئے جنہوں نے بلاد شام میں مذہب اسلام کا نظام قائم کرتے ہوئے ایک لازوال اور مقتدر دور حکومت قائم کی جس کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے موجودہ یہودی قوم بھرپور کوشش کر رہی ہے۔ اسی طرح شام میں ہی حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ وہ بنی اسرائیل کو فلسطین کا خطہ حاصل کرنے کے لیے جہاد پر آمادہ کریں۔ حضرت عیسیٰؑ اور یحییٰؑ بلاد شام میں بنی اسرائیل کی ہدایت اور تبلیغ کے لیے بھیجے گئے جہاں انہوں نے ریاستی اعتبار تک مذہب اسلام کی تبلیغ واشاعت کی اور بنی اسرائیل کی ہدایت پر مامور رہے۔ آپؐ نے اپنی پوری زندگی میں مکہ اور مدینہ سے باہر صرف بیت المقدس کا سفر کیا جو کہ بلاد شام کا حصہ رہا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل اہل

(2) ندوی، سید سلیمان (متوفی:1953)، خلفائے راشدین، مطبع معارف المصنفین، اعظم گڑھ، 1967ء، ص:78-71

شام اور اس سے متصل علاقے مثلاً یمن، فلسطین وغیرہ کے لیے خیر و برکت کی دعا بھی فرمائی ہے۔ دوسری جانب قرآن کریم اور دیگر احادیث مبارکہ کی روشنی میں بھی بلاد شام کی اہمیت اور فضیلت کا تذکرہ موجود ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شام نہ صرف اللہ تعالی کے نزدیک ایک بابرکت زمین ہے بلکہ موجودہ دور، مستقبل اور قیامت تک میں رونما ہونے والے سیاسی اور مذہبی حالات و واقعات کا تعلق بھی اسی سرزمین سے ہے۔[3]

بلاد شام میں پائے جانے والے تمام ممالک مسلمان، یہود اور نصاری کے لیے سیاسی اور مذہبی اعتبار سے انتہائی مقدس اور اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں جس کی واضح مثال عصر حاضر میں شام، فلسطین، یمن میں پائی جانے والی سیاسی کشیدگی اور مذہبی اختلافات کے مناظر ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج تمام اہل کتاب ایک دوسرے کے دست و گریباں ہیں اور مسلمانوں کو سخت سیاسی اور مذہبی سختیوں اور آزمائشوں کا سامنا ہے۔۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں یہ بات واضح موجود ہے کہ قرب قیامت کی تمام علامات کبری کا ظہور شام اور متصل ممالک میں ہو گا۔ ان احادیث مبارکہ میں سب سے پہلے مسلمانوں کا دور زوال اور یہود و نصاری کی طرف سے مظالم کا تفصیلی تذکرہ ہے اور دوسری جانب حق اور باطل کے معرکہ کی بہترین منظر کشی عرب میں امام مہدی کے ظہور سے شروع ہوتی ہے کیونکہ جب مسلمان کافروں کی سازشوں، مکاریوں اور ظلم و ستم کی وجہ سے ہر طرح سے مغلوب ہو جائیں گے تو وہ امام مہدی کو سب سے پہلے عرب میں مسلمانوں کے امام کے طور پر تلاش کریں گے اور پھر ان کے ہاتھوں پر بیعت کر کے تمام باطل طاقتوں کے خلاف اتحاد قائم کریں گے۔ احادیث مبارکہ میں یہ واضح ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بعد حق اور باطل کی سب سے بڑی معرکہ آرائی شام کے شہر دمشق میں ہو گی، جب عیسی علیہ السلام کا ظہور ہو گا اور امام مہدی تمام تر اہل ایمان کے ساتھ عیسی علیہ السلام کی جانب ہجرت کر کے یہود و نصاری اور دجال سے جنگ کریں گے۔[4] یہ کفر اور باطل کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے پوری اسلامی تاریخ کی ایک عظیم جنگ ہو گی جس میں شہید ہونے والے اور جنگ کرنے والے مسلمان بلند درجے پر فائز ہوں گے۔ دوسری جانب شام میں ہونے والی یہ سیاسی اور مذہبی جنگ مسلمانوں کے لیے بہت بڑی آزمائش بھی ہو گی جس میں انہیں دنیاوی مال و متاع اور فوائد ترک کر کے آخرت کو ترجیح دیتے ہوئے حق کا ساتھ دینا ہو گا۔ اگرچہ بلاد شام میں قرب قیامت کی علامات کبری کا عملی ظہور نہیں ہوا ہے مگر دور استعمار کے بعد شام میں سیاسی، عسکری اور مذہبی انتشار اور اختلافات حکومتی سطح پر ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جیسے کہ

(3) المدنی، اعجاز حسین، قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں سرزمین شام، المکتبۃ الرحمانیہ، لاہور، 2017ء، ص:19-15

(4) المدنی، قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں سرزمین شام، ص:35

1980ء کے بعد شام میں فوج اور جمہوریت میں تصادم ہوا جس کے بعد سے عوام اور حکومت کے درمیان باہمی اتحاد ختم ہو گیا اور 2011ء کے بعد سے شام مصیبتوں اور آفاتوں کی لپیٹ میں ہے۔[5] حدیث مبارکہ کے مطابق :

اگر اہل شام میں فساد برپا ہو جائے تو پھر تم میں کوئی خیر نہیں ہے۔[6]

مذکورہ بالا حدیث کے مطابق شام میں جنگی حالات برپا ہونے کے بعد سے آج تک مشرق وسطی کے تمام عرب ممالک میں سیاسی اور مذہبی اختلافات دن بدن بڑھتے جارہے ہیں جس سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں بیان کی گئی پیشن گوئیاں سچ ثابت ہو رہی ہیں۔ ذیل میں موجودہ دور میں ملک شام کے حالات وواقعات، مسلمانوں کی ہجرت کے اسباب اور مسائل کا جامع تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

## عصر حاضر میں ملک شام کی خانہ جنگی کا تحقیقی جائزہ:

### شام میں سیاسی عدم استحکام کا پس منظر:

ملک "شام" مشرق وسطیٰ کا ایک اہم ملک ہے، جہاں مختلف نسل اور مذہب کے لوگ آباد ہیں۔ آبادی کے اعتبار سے شام میں عربوں کی اکثریت ہے جبکہ دوسرے نمبر پر کردوں اور آرمینیوں کی آبادی ہے۔ اسی طرح شام میں مختلف مذاہب کے لوگ بھی آباد ہیں، جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے لیکن دیگر مذاہب مثلاً عیسائیوں، یہودیوں اور پارسیوں کی آبادی بھی موجود ہے۔ مشرق وسطیٰ میں شام کی سرحد دیگر عرب ممالک سے ملتی ہے جن میں لبنان، اردن ترکی، عراق، مصر، یمن اور اسرائیل کے ممالک شامل ہیں۔ 1963ء میں شام کی فوج کے ایک گروہ نے بغاوت کرتے ہوئے شامی حکومت پر قبضہ کر لیا جس کے نتیجے میں شام کے سیاسی حالات غیر مستحکم ہو گئے۔ فوج کے اس باغی گروہ کی قیادت "حافظ الاسد" کر رہے تھے جنہوں نے ملک میں "بعث پارٹی" کے ہمراہ سیاسی نظام کی باگ دوڑ سنبھالی، لیکن 1971ء میں حافظ الاسد نے "بعث پارٹی" کے اقتدار کا خاتمہ کر کے آمرانہ دور حکومت کا آغاز کیا جس کے تحت سوائے بعث پارٹی کے علاوہ اور کسی سیاسی جماعت کو ملک میں سیاسی انتخابات میں حصہ لینے کا حق نہیں تھا۔ حافظ الاسد کے آمرانہ دور حکومت کا عرصہ سن 1971ء سے لے کر سن 2000ء تک محیط ہے، جس میں سیاسی انتخابات کا شفاف نظام موجود نہیں تھا۔ شام میں مختلف سیاسی جماعتیں موجود تھیں جو آمرانہ طرز حکومت کے خلاف تھیں اور ملک میں شفاف سیاسی انتخابات کے انعقاد کے ذریعے ملک میں جمہوری طرز حکومت قائم کرنا چاہتی

(5) حافظ محمد زبیر / بلادِ-شام-اور-دَورِ-فتن-احادیث-نبویہ-کی-روشنی-میں.forum.mohaddis.com/threads/24737

(6) الترمذي، محمد بن عيسى، ابو عيسى (متوفى 279ھ)، سنن الترمذي، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر، ط2، ۱۳۹۵ھ، أبواب الفتن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في الشام، الرقم: 2192، ج:4، ص:485

تھی۔ حافظ الاسد جمہوری نظام کے خلاف تھے کیونکہ وہ آمرانہ طرز حکومت کی آڑ میں اپنے اقتدار کو قائم رکھنا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ تیس سال تک شام میں حافظ الاسد کی حکومت قائم رہی۔ سن 2000ء میں حافظ الاسد کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے "بشارالاسد" نے آمرانہ دور حکومت کے اقتدار کو سنبھالا اور اپنے والد کی بنائی ہوئی حکومتی پالیسیوں کو قائم رکھتے ہوئے ملکی نظام کو تشکیل دیا۔[7] شام کے سیاسی حالات 2011 تک اسد خاندان اور طاقتور "علوی ایلیٹ کلاس" کے ماتحت تھے، جنہوں نے عرب قوم پرست جماعت "بعث پارٹی" کے ذریعہ ملک شام پر اپنا سیاسی اقتدار قائم رکھا ہوا تھا۔ اگرچہ شام نظریاتی طور پر اسلامی ملک تھا مگر نظام حکومت سیکولر طرز پر قائم تھا، ملک شام کی آبادی تقریباً دو کروڑ سے بھی زائد تھی جس میں سنی اکثریت اور شیعہ و دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد اقلیت میں آباد تھے۔ مذہبی اعتبار سے شام کے سماجی ماحول میں مذہبی تعصب کا عنصر موجود تھا تاہم مذہبی رواداری کا ماحول اپنی جگہ برقرار تھا۔[8] شام میں اختلافات کی ابتداء سیاسی اعتبار سے شروع ہوئی ہے کیونکہ اسد خاندان جمہوری نظام کے خلاف تقریباً 30 سال سے زیادہ آمرانہ طرز پر حکومت کر رہا ہے یہی وجہ ہے کہ عوام الناس میں جمہوری سیاسی انتخابات کے لیے شدید قسم کا احتجاج اور رجحان پیدا ہو چکا تھا۔ دوسری جانب جناب بشار الاسد عوامی سیاسی انتخابات کے مطالبے اور سماجی اصلاحات کے حوالے سے ناکام پالیسی اختیار کیے ہوئے تھے جس کی وجہ سے عوام الناس میں ان کے خلاف شدید ردعمل پایا جاتا تھا۔ عوام الناس کی مخالفت کو ختم کرنے کے لیے اگرچہ بشار الاسد نے ملک میں دیگر سیاسی جماعتوں کو انتخابات میں شریک کرنے کے لیے اصطلاحات نافذ کر دی تھی مگر آمریت اپنی جگہ ملک میں برقرار تھی۔ بشار الاسد نے عوام الناس میں اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے باقاعدہ "مخابرت" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی تھی، تاکہ ملک میں سیاسی مخالف گروہوں کی سرگرمیوں کو کنٹرول کیا جاسکے۔ اس بارے میں ایک مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

> "حافظ الاسد اور بشار الاسد کے ظالمانہ اقدامات کی وجہ سے عوام الناس کے اندر حکومت مخالف جذبات پائے جاتے تھے کیونکہ ان دونوں سیاست دانوں نے اپنے ادوار میں عوام الناس کی مخالفت کو کچلنے کے لیے ایک خفیہ جاسوسی تنظیم قائم کی جس کا نام "مخابرت" رکھا گیا۔ یہ تنظیم عوام الناس کے درمیان لوگوں کی رائے اور سیاسی رجحان کا جائزہ لیتی۔ اس تنظیم نے کئی افراد کو حکومت مخالف بیان دینے کی وجہ سے یا حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے گرفتار کیا اور انہیں جیلوں میں ڈال کر یا تو انہیں مار

)7( Baltes,Chelsea Marie, Causes and Consequences of the Syrian Civil War,Senior Thesis for Graduation with Honors,Director of Thesis: Dr,Josef Olmert,Department: International Area Studies and Political Science,South Carolina Honors College,Columbia,2016,pages: 28-46

(8) محمد ثناء اللہ طاہر، مقالہ: شام خانہ جنگی کے سات سال، مجلہ: مہنامہ منہاج القرآن، ناشر: محمد اشرف قادری، لاہور، مئی 2018ء، ص: 23

دیتے یا انہیں لاپتا کر دیا جاتا۔ اسد خاندان کے اس سفاک طرز عمل کی وجہ سے عوام میں حکومت مخالف جذبات میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔"(9)

اس پس منظر کے تحت جناب حافظ الاسد اور ان کے بیٹے بشارالاسد کے طویل آمرانہ دور حکومت کی وجہ سے شام کے سیاسی حالات ابتداء سے ہی انتشار کا شکار تھے کیونکہ عوام ملک میں شفاف سیاسی انتخابات ملکی اور سماجی اصلاحات کے انعقاد کا تقاضہ کر رہے تھے تاکہ تمام سیاسی جماعتوں کو انتخابات میں حصہ لینے کا موقع ملے۔ شام میں خانہ جنگی سے قبل عوام اور دیگر سیاسی اور سماجی تنظیمیں آمریت اور شخصی حکومت کے خلاف جدوجہد میں مصروف عمل تھے اور اور اسی حکومت مخالف تحریکوں کی وجہ سے خانہ جنگی کی ابتدا ہوئی۔

## مشرق وسطی میں "بہار عرب" تحریک کا آغاز:

سن 2011ء مشرق وسطی میں "تیونس" کے شہر سے "بہار عرب" کے نام سے ایک تحریک کا آغاز ہوا جس کا مقصد عرب ممالک کے حکمرانوں کی آمرانہ اور شخصی حکومت کا خاتمہ کر کے جمہوری نظام حکومت قائم کرنا تھا۔ اس تحریک نے عرب ممالک میں ایسا سیاسی انقلاب پیدا کیا جس کی وجہ سے عرب حکمرانوں کو اپنا اقتدار خطرے میں محسوس ہوا اور انہوں نے اس تحریک کے خلاف مزاحمتی رویہ اختیار کیا۔ "بہار عرب" تحریک نے چند ہی مہینوں میں بیشتر عرب ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، جہاں عوام کی طرف سے حکومت مخالف مظاہرے شروع ہو گئے کیونکہ عرب ممالک کی عوام اپنے حکمرانوں کی طرف سے جمہوری نظام حکومت کے ساتھ ساتھ سماجی و معاشی اصلاحات، روزگار کے مواقع، معاشرے سے فرقہ وارانہ فسادات اور طبقاتی کشمکش کا خاتمہ، معصوم قیدیوں کی رہائی اور سیاسی آزادی چاہتے تھے۔ اس تحریک کے اثرات عرب ممالک کے حکمرانوں پر بری طرح مرتب ہوئے اور انہوں نے احتجاجی مظاہرین کو حکومت مخالف باغی اور سازشی ٹھہرایا لیکن احتجاج کا سلسلہ مشرق وسطی میں پھیل چکا تھا جس کے اثرات شام کے مختلف شہروں میں بھی شروع ہو چکے تھے۔ "بہار عرب" تحریک میں نوجوانوں کی اکثریت شامل تھی جو اپنے حکمرانوں کے ناجائز اصلاحات کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ شام کی خانہ جنگی کا آغاز 2011ء میں شہر "درعا" سے ہوا جب چند نوجوان طلبہ نے بشار الاسد کے خلاف احتجاجی نعرے بازی کی تو حکومتی فورسز نے انہیں تشدد کا نشانہ بنا کر گرفتار کر لیا۔ بشار حکومت کے اس جارحانہ اقدام کی وجہ سے شام کے مختلف شہروں میں قیدیوں کی رہائی کے حوالے سے حکومت مخالف مظاہرے شروع ہو گئے۔ بشار حکومت نے ایک طرف احتجاجی مظاہروں کو ختم کرنے کے لیے عوام پر تشدد کیا، متعدد مظاہرین کو گرفتار کر لیا گیا اور بہت سے مظاہرین حکومتی فورسز کی جارحیت پر موقع پر ہلاک ہو گئے لیکن دوسری طرف بشار الاسد نے عوامی مطالبات کے دباؤ میں ایک نئی کابینہ تشکیل دی جس میں دیگر سیاسی جماعتوں کو بھی سیاسی انتخابات

(9) محمد ثناء اللہ طاہر، مقالہ: شام خانہ جنگی کے سات سال، ص: 23

میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی اور دیگر سماجی اصلاحات کا وعدہ بھی کیا گیا۔[10] بشار کی نئی سیاسی اصلاحات کا مقصد یہ تھا کہ ملک میں احتجاجی مظاہروں کا خاتمہ ہو جائے تاکہ ان کا اقتدار محفوظ ہو سکے لیکن حکومت کی جارحیت کو دیکھتے ہوئے شہر "درعا" میں مظاہرے ختم ہو چکے تھے لیکن ملک کے دیگر شہروں میں بشار الاسد کے خلاف احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ جاری وساری تھا۔ اگرچہ عرب کے دیگر ممالک میں "بہار عرب" تحریک کے مظاہروں کے بعد امن قائم ہو چکا تھا لیکن شام میں اس تحریک کے آغاز سے ظلم و جبر کے بھیانک اور تاریک دور کا نیا سلسلہ شروع ہونے والا تھا۔

## ملک شام میں خانہ جنگی کی ابتداء:

بشارالاسد کے ظالمانہ اور جارحانہ اقدام کی وجہ سے شام کے مختلف شہروں میں احتجاجی مظاہرے ہو رہے تھے۔ ان شہروں میں دمشق، حمص، ادلب، غوطہ اور دیگر شہر بھی شامل تھے جہاں بشارالاسد کی جارحیت اور مظالم کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا۔[11] بشار الاسد نے حکومت مخالف مظاہرین سے نمٹنے کے لیے حکومتی مسلح فورسز کا سہارا لیا، جنہوں نے ہتھیاروں، تشدد اور دیگر جارحانہ اقدام کے ذریعے حکومت مخالف تحریک کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی لیکن بشار الاسد کی اس پالیسی کی وجہ سے شامی حکومت کی نصف فوج میں سے بعض فوجیوں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا لیکن سن 2011ء سے 2012ء کے درمیان فوج کے ایک حصے نے حکومتی اقدامات سے بغاوت کرتے ہوئے مظاہرین کے ساتھ اتحاد کر کے اپنی ایک علیحدہ جماعت تشکیل دی جس کا نام "فری سیرین آرمی" رکھا گیا۔ "فری سیرین آرمی" جماعت کی تشکیل کے بعد شام کی دیگر حکومت مخالف تنظیموں مثلاً: the Syrian Liberation Front, the Syrian Islamic Front, the Independent Brigade, Jubhat-ul-Nusra نے بھی فری سیرین آرمی جماعت کے ساتھ اتحاد کر لیا جس سے "فری سیرین آرمی" کی تعداد پچاس ہزار سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اس جماعت میں مسلح تربیت یافتہ جنگجو شامل تھے جنہوں نے متحد ہو کر بشارالاسد کی حکومت کے خلاف جنگی محاذآرائی کا سلسلہ شروع کر دیا جس سے شام میں اندرونی خانہ جنگی کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ "فری سیرین" آرمی جماعت کو بیرونی ممالک کی حمایت اور تعاون حاصل تھی جس کی بنیاد پر یہ جماعت بشارالاسد کی حکومت کے خلاف برسرپیکار تھی۔ بشارالاسد نے باغیوں کے خلاف زمینی اور فضائی حملے کئے لیکن عالمی بیرونی طاقتوں کی مدد اور تعاون کی وجہ سے "فری سیرین آرمی" جماعت نے سرکاری حملوں کو ناکام بنا دیا اور شام کے مختلف شہروں پر قبضہ کر لیا۔ شام میں جاری خانہ جنگی کو دیکھتے ہوئے جہادی جنگجو تنظیم "القاعدہ" نے بھی بشار الاسد کی حکومت کے خلاف جاری جنگ میں حصہ لیا۔ دوسری جانب بشار الاسد کی حکومت کو کمزور ہوتا دیکھتے ہوئے "کرد تنظیم " YPG نے اپنی علیحدہ مملکت کے قیام کی

)10( Baltes,Causes and Consequences of the Syrian Civil War,pages: 47-48

(11) شامی خانہ جنگی کی مختصر تاریخ، عاطف بلوچ، 2017، https: //www.dw.com

جدوجہد شروع کر دی اور اندرونی خانہ جنگی کو مزید تقویت دینے لگے۔[12] اس طرح 2011ء-2013ء کے درمیان ملک شام بری طرح خانہ جنگی کا شکار ہو چکا تھا، جس کے باعث ہزاروں کی تعداد میں لوگ ہلاک ہوئے اور ہزاروں کی تعداد میں شامی عوام ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ دوسری جانب عالمی بیرونی ممالک کی شمولیت کی وجہ سے بشارالاسد کی حکومت شام میں کمزور ہو چکی تھی۔

## عرب ممالک میں مذہبی فرقہ وارانہ تقسیم:

سن 2013ء میں بشار الاسد کا حکومتی اقتدار ملک شام پر کمزور ہو چکا تھا کیونکہ فری سیرین آرمی جماعت نے عالمی بیرونی ممالک کی مدد سے شام کے مختلف شہروں پر قبضہ کر کے اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا، دوسری جانب بشارالاسد کو عالمی بیرونی ممالک کے درمیان مخالفتوں کا سامنا تھا۔ ان حالات سے نمٹنے کے لیے بشارالاسد نے "ایران "اور لبنان کی "حزب اللہ "جماعت سے باغیوں کی طاقت کو ختم کرنے کے لیے مدد مانگی۔ بشارالاسد کے اس سیاسی اقدام کی وجہ سے شام کی خانہ جنگی نے مذہبی فرقہ وارانہ جنگ کی صورت اختیار کر لی کیونکہ خاندان بشارالاسد در حقیقت علوی (شیعہ) حکومت تھی، جن کا اقتدار سابقہ تیس سال سے ملک شام پر قائم تھا۔[13] لہذا بشار الاسد کی مدد کی درخواست پر ایران کی زمینی افواج اور لبنان کی حزب اللہ جماعت کے مسلح تربیت یافتہ جنگجوؤں نے بشارالاسد کی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے جنگ میں شامل ہو گئے۔ شیعہ اکثریتی ممالک کی امداد اور معاونت کی وجہ سے بشارالاسد کی حکومت کا اثر ورسوخ ملک میں بڑھنے لگا جس کو دیکھتے ہوئے ملک شام کے سنّی اکثریتی علاقوں اور بشار حکومت کے مخالف عرب سنّی ممالک مثلاً: سعودی عرب، اردن، ترکی، بحرین نے فری سیرین آرمی جماعت کو باقاعدہ مالی اور فوجی امداد فراہم کی تاکہ علوی حکومت کے اقتدار اور جنگی اقدامات کا بھرپور جواب دیا جا سکے۔ 2013ء کے آواخر تک مشرق وسطی کے عرب ممالک شیعہ اور سنّی فرقہ واریت کی بنیاد پر تقسیم ہو گئے اور شام کی خانہ جنگی "مذہبی فرقہ واریت کی جنگ "میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جناب حافظ الاسد اور بشار الاسد کا اقتدار علوی (شیعہ) فرقے سے تعلق رکھتا تھا، لہذا ایران اور حزب اللہ جماعت نے علویوں کے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے بشار الاسد کی حمایت میں زمینی افواج اور

)12( Brian Michael Jenkins,The Dynamic's of Syria's Civil War,RAND Corporation,doc no: PE-115,2014,page: 8-11

(13)شام کی سنگین صورتحال، ذمہ دار کون؟مارچ2018،464/1107117/https: //www.express.pk/story/

تربیت یافتہ جنگجوں کے ذریعہ بھرپور مدد فراہم کی جس کے نتیجے میں مشرق وسطی کے عرب ممالک کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہوا اور شام کی خانہ جنگی مذہبی فرقہ وارانہ جنگ میں بدل گئی جس سے شام کے سیاسی حالات مزید خراب ہو گئے۔ (14)

## شام کی خانہ جنگی میں امریکہ اور روس کی مداخلت:

2013-2014ء کے درمیانی عرصے میں بشار الاسد نے سنّی اکثریتی علاقوں میں فضائی بمباری کی اور مختلف کیمیائی ہتھیار استعمال کرتے ہوئے عام شہریوں کو ہلاک کر دیا۔ جناب بشارالاسد کے اس ظالمانہ اقدام کی وجہ سے اقوام متحدہ نے اس عمل کو "عالمی جرم" قرار دیا۔ اسی دور میں بشارالاسد کی حکومت اور مخالفین کے درمیان خانہ جنگی کا سلسلہ جاری تھا کہ "داعش" نامی اسلامی جماعت شام کی سرکاری حکومت کے خلاف جنگ میں شامل ہو گئی اور چند ہی مہینوں میں شام کے ان شہروں پر قبضہ کر لیا جہاں تیل کے ذخائر وافر مقدار میں موجود تھے۔ شام میں "داعش" کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو دیکھتے ہوئے 2014ء میں امریکہ نے باقاعدہ شام کی خانہ جنگی میں زمینی افواج اور فضائی حملوں کے ذریعے حصہ لیا اور داعش تحریک کو مکمل شکست دے دی۔ شام کی سیاسی کشیدگی میں امریکہ کی شمولیت سے خانہ جنگی کی نوعیت "عالمی جنگ" میں بدل گئی۔ بظاہر امریکا بشار الاسد کی سیاسی جنگی پالیسیوں کے خلاف تھا لیکن داعش تحریک کے خاتمے کے لیے باقاعدہ امریکہ نے شام میں جنگ کا آغاز کر دیا تھا۔ 2015ء میں بشار الاسد نے اپنے اقتدار کو بچانے کی خاطر روس سے مدد کی درخواست کی جو ابتدا سے ہی اخلاقی اور سفارتی اعتبار سے شام کا حمایتی رہا تھا لیکن جنگ میں امریکہ کی شمولیت کے بعد روس بھی باقاعدہ شام کی خانہ جنگی کا ایک فریق بن چکا تھا۔ (15) روسی افواج کے جنگ میں شامل ہونے کے بعد صحافیوں کا یہ کہنا ہے کہ:

> ''روسی فوج کے اہلکار یہ کہتے ہیں کے وہ شام میں دہشت گرد تنظیموں پر حملہ کرتے ہیں، لیکن شام میں موجود امدادی کارکنوں کے مطابق روسی افواج حکومت مخالف تنظیموں اور معصوم عوام پر بھی حملے کرتی ہیں۔'' (16)

(14) Aziz-ur-Rehman(Mphil scholar),Research Article: SYRIAN CIVIL WAR & STRUGGLE FOR SURVIVAL OF ASSAD REGIME AND ITS IMPACTS ON WIDER MIDDLE EAST ,LAP Lambert Academic Publishing,Gomal University,ISBN: 978-620-3-19495-1, December 2015,page: 39-40

) 15()Aziz-ur-Rehman(Mphil scholar),Research Article: SYRIAN CIVIL WAR & STRUGGLE FOR SUVIVAL OF ASSAD REGIME AND ITS IMPACTS ON WIDER MIDDLE EAST,page: 34-35

(16)"شام میں جنگ کیوں ہو رہی ہے؟"،2018، https://www.bbc.com/urdu/world-43754678

روسی افواج کے بیان کے برعکس روس نے شام میں باقاعدہ فضائی اڈے قائم کیے اور فضائی جنگ کے ذریعے حکومت مخالف شہروں پر حملے شروع کر دئے جس کے نتیجے میں حکومت مخالف جماعتوں کو زبردست شکست ہوئی۔ دوسری جانب ایران اور حزب اللہ کی زمینی فوجوں نے شام کے شہروں پر سرکاری حکومت کا اقتدار قائم کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح 2016ء-2018ء کے درمیان بشارالاسد نے روس، ایران اور حزب اللہ کی فوجی اور فضائی امداد کی بدولت شام کے کثیر رقبے پر سرکاری حکومت کا اقتدار قائم کر لیا۔ امریکہ اور روس کی شام کی خانہ جنگی میں شمولیت کے بعد شام کے سیاسی حالات مکمل طور پر تباہ و برباد ہو چکے تھے، باغیوں کا اثرورسوخ شام کے شہروں پر سے ختم ہو گیا جس کے نتیجے میں انسانی تاریخ میں بڑے پیمانے پر شامی مہاجرین نے اپنے ملک سے ہجرت کا آغاز شروع کر دیا، لاکھوں کی تعداد میں لوگ شہید ہو چکے تھے اور ملک میں ہر طرف تباہی کے آثار تھے۔ شام میں امریکہ اور روس کی جنگ میں شمولیت کا سب سے زیادہ فائدہ بشارالاسد کی حکومت کو ہوا کیونکہ خانہ جنگی کے دس سالوں میں بشار الاسد نے اپنے حمایتی ممالک کے ساتھ مل کر باغیوں کو شکست دی جس کی وجہ سے شام کی عوام ہمسائے ممالک کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئی۔ (17)

## اسلامی ممالک میں شامی مسلمانوں کی ہجرت اور مشکلات:

ملک شام میں 2011ء سے جاری خانہ جنگی کے نتیجے میں شام کے مقامی لوگوں کی طرف سے ہجرت کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق تقریباً 14 ملین سے زائد شامی افراد اپنے ملک میں لاپتہ ہیں یا جیلوں میں قید ہیں اور اتنی ہی بڑی تعداد میں شامی مہاجرین ہمسائے ممالک کی سرحدوں پر حصول پناہ کی خاطر موجود ہیں۔( UN Higher Comission For Refugees)ایک عالمی ادارہ ہے جو ناگہانی آفات، جنگی حالات یا سماجی مشکلات کی وجہ سے بڑے پیمانے پر مہاجرین کی نقل مکانی کی صورت میں پیدا ہونے والے مسائل کے خاتمے کے لئے اپنی خدمات پیش کرتا ہے۔ UNHCR کے مطابق شامی مہاجرین اور لاپتہ افراد کی معاشی، سماجی اور انسانی بنیادوں پر امداد کا سب سے زیادہ بوجھ ہمسائے ممالک پر ہے جو شامی مہاجرین کی بڑی تعداد کے مسائل سے نمٹنے سے قاصر ہیں۔ اگرچہ ایمانی اور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہمسائے ممالک شامی مہاجرین کی مدد کر رہے ہیں، لیکن ناقص وسائل اور محدود ذرائع کی وجہ سے شامی مہاجرین کہ مشکلات بہت زیادہ ہیں۔ شامی مہاجرین کی بڑی تعداد نے ترکی، لبنان، اردن اور مصر و عراق کے ممالک کی طرف ہجرت کی ہے، لہذا ذیل میں ان ہمسائے ممالک میں شامی پناہ گزینوں کی حیثیت، حالات اور مشکلات کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ (18)

(17)شام کی خانہ جنگی میں غیر ملکی مداخلت، https: //ur.wikipedia.org/

)18( Syria Refugee Crisis Explained, MARCH 14, 2023, https: //www.unrefugees.org/news

## ترکی میں شامی مہاجرین کی ہجرت اور مشکلات:

ترکی کی سرحد یورپ کی سرحد سے ملتی ہے، لہذا شامی مہاجرین کے قیام، ان کی امداد اور ان کے مسائل سے نمٹنے کے لیے یورپی یونین (EU) نے باقاعدہ عارضی نوعیت کی امداد و تحفظ کی فراہمی کا پروگرام تشکیل دیا ہے جس کو عالمی سطح پر EU) (Civil Protection and Humanitarian Aid Oprations کہا جاتا ہے۔ ترکی شام کا ہمسایہ ملک بھی ہے جو اس وقت شامی مہاجرین کی سب سے بڑی تعداد کی میزبانی کر رہا ہے۔ اگرچہ ترکی ایک اسلامی ملک ہے جس کا شمار ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے، لیکن شامی مہاجرین کی سب سے بڑی تعداد ترکی میں موجود ہونے کی وجہ سے ترکی کے مسائل میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ ترکی کے تحقیقاتی اداروں کے مطابق شامی مہاجرین کی آمد کی وجہ سے ترکی کی آبادی میں زبردست اضافہ ہوا ہے لیکن ترکی چونکہ یورپ کا حصہ شمار کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ترکی یورپی یونین کی اصلاحات کی مدد سے شامی مہاجرین کی بڑی تعداد کی میزبانی کے ساتھ ساتھ ان کی معاشی اور بنیادی ضروریات کے حوالے سے فلاحی اقدامات بھی کر رہا ہے۔[19] 2015ء کے اعداد و شمار کے مطابق یورپی یونین اور ترکی کی تحقیقاتی اداروں کی طرف سے 2015ء کے اعداد و شمار کے مطابق دس لاکھ مہاجرین کو باقاعدہ مہاجر کی حیثیت سے ترکی میں رجسٹرڈ کیا گیا ہے جبکہ بہت سے مہاجرین غیر قانونی طور پر بھی مقیم ہیں جن کی تعداد کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ مہاجرین کے حوالے سے میڈیا کے ذرائع یہ غلط تاثر دیتے ہیں کہ ان کی اکثریت خیمہ بستیوں میں مقیم ہے، 70 فیصد شامی مہاجرین ترکی کی آبادی کا حصہ بن چکے ہیں جبکہ 30 فیصد مہاجرین کے لئے خیمہ بستیاں قائم کی گئی ہیں جہاں بنیادی ضروریات کے حوالے سے امداد پہنچائی جاتی ہے۔[20] شامی مہاجرین کی بڑی تعداد کے ساتھ ان کے مسائل بھی بہت زیادہ ہیں۔ خیمہ بستیوں میں مقیم مہاجرین مختلف بیماریوں، ذہنی مسائل، اپنوں کے بچھڑنے یا مر جانے کا غم، غربت، بے روزگاری، خوراک کی ناقص فراہمی، صفائی اور پانی کی قلت جیسی مشکلات و مسائل سے نبرد آزما ہیں۔ جبکہ وہ مہاجرین جو آبادی کا حصہ بن چکے ہیں ان کو ترکی کے سماجی اور معاشی شعبہ جات میں مشکلات کا سامنا ہے کیونکہ مہاجرین کی بڑی تعداد نے سب سے پہلے معاشی وسائل یا ذرائع معاش کی طرف رخ کیا ہے۔ اس تناظر میں شامی افراد کی بڑی تعداد ترکی کے مزدور طبقے میں کام کر رہی ہے، مثلاً تعمیراتی شعبہ جات، زرعی شعبہ جات، تجارتی مراکز میں معمولی نوعیت کے شعبہ وغیرہ میں مقامی مزدوروں کی

---

)19( Mazen Hawamdeh,Ahmad al Qateishat,Research article: The Impact of Syrian Refugee Crisis On Neighboring Countries,RUDN Journal of Political Science,People's Friendship University of Russia(RUDN University),ISBN: 548-554,No: 4,Vol: 20,2018,page: 549

)20( Aziz-ur-Rehman(Mphil scholar),Research Article: SYRIAN CIVIL WAR & STRUGGLE FOR SURVIVAL OF ASSAD REGIME AND ITS IMPACTS ON WIDER MIDDLE EAST,page: 51-50

بنسبت شامی مہاجرین کم آمدنی پر مزدور کی حیثیت سے کام کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے مقامی ترک افراد کو بے روزگاری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس صورتحال نے ترکی میں سماجی بدلاؤ پیدا کیا ہے کیونکہ ترک حکومت کے پاس روزگار کے وسائل محدود ہیں اور معیشت آبادی کے تناسب اور ان کے مسائل کا ازالہ کرنے کے اعتبار سے ناکام ہو چکی ہے۔ دوسری جانب شامی مہاجرین کے پڑھے لکھے طبقے کو اعلی شعبہ جات میں نوکریوں کے حصول اور عہدوں تک رسائی میں بھی مسائل کا سامنا ہے کیونکہ مقامی لوگوں کے اندر تعصب اور مخالفت کا عنصر موجود ہے اور وہ شامی مہاجرین کو اپنی معیشت اور سماج کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں اور مستقل بنیادوں پر اپنے ملک میں جگہ دینے کے خواہش مند نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ جو شامی مہاجرین قانونی طور پر ترکی میں قیام کے خواہشمند ہیں انہیں مستقل بنیادوں پر شہری نہیں بنایا جا رہا ہے۔ موجودہ حالات میں بڑھتے ہوئے مسائل کے پیش نظر ترک حکومت شامی مہاجرین کو شمالی شام کے علاقے ادلب میں آباد کرنے کے حوالے سے غور کر رہی ہے، اس حوالے سے بعض پاکستانی صحافتی اداروں کا بیان ہے کہ:

> ''بین الاقوامی سیاسی ماہرین اور شام کے سیاسی حالات اور واقعات پر تحقیق کرنے والے صحافی اس بات پر متفق ہیں کہ ترک صدر طیب اردگان کا شامی مہاجرین کی واپسی کا فیصلہ غلط ہے کیونکہ بیشتر شہروں میں بشار الاسد کی طرف سے سیاسی کشیدگی اب تک قائم ہے۔ شام کی خانہ جنگی اب بدترین جنگی حالات میں بدل چکی ہے جس کے بعد صحافیوں نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ شامی مہاجرین کو وطن واپسی پر مجبور کرنا ایک ظالمانہ اقدام ہے۔ ''(21)

شام کی خانہ جنگی کے دوران ترک افواج نے کردوں کے خلاف حصہ لیا تھا جس کے نتیجے میں میں شام کا شمالی حصہ یعنی ادلب کا شہر ترک افواج کے قبضے میں آ چکا ہے۔ اگرچہ شام کی خانہ جنگی اب تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچی ہے لیکن ترک حکومت شامی مہاجرین کو ان کے آبائی شمالی علاقوں میں آباد کرنے کی خواہش مند ہے تاکہ وہ ترکی کی بڑھتی آبادی اور معیشت کے مسائل کا خاتمہ کر سکے۔ دوسری جانب ترکی میں سیاسی انتخابات کی تحریک کی وجہ سے بعض مخالف سیاسی تنظیموں نے عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے شامی مہاجرین کو ملک سے نکالنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس تناظر میں ترکی کے موجودہ حکمران طیب اردگان شامی مہاجرین کو شام کے پرامن، مفتوحہ شمالی علاقوں میں آباد کرنے کے حوالے سے فکرمند ہیں اور دفاعی تحفظ کے لیے بھی اقدامات کر رہے ہیں۔(22)

(21) شامی پناہ گزین: ترکی کے بحرانی دور میں سیاسی ہتھیار کیسے بنے؟، 2022ء، https: //urdu.arynews.tv/

(22) شامی مہاجرین ترکی میں 'سیاسی فٹ بال' کیسے بنے؟، مئی 2022، https: //www.dw.com/

### لبنان اور اردن میں شامی مہاجرین کی ہجرت اور مشکلات:

شام میں خانہ جنگی کے بعد لاکھوں کی تعداد میں مہاجرین نے لبنان اور اردن کے ممالک کی طرف ہجرت کی ہے کیونکہ لبنان اور اردن کی سرحدیں شام کی سرحدوں سے ملحق ہیں۔ لبنان اور اردن دونوں اسلامی ممالک ہیں اور ان کا شمار ترقی پذیر ممالک میں ہوتا ہے۔ شام کی خانہ جنگی سے پہلے شام، لبنان اور اردن میں کے درمیان سفارتی اور تجارتی تعلقات موجود تھے جس کی وجہ شامی افراد کی ایک کثیر تعداد لبنان اور اردن میں آباد ہے، جو سرمایہ کاری اور تجارت کے شعبے سے وابستہ تھے جس کی وجہ سے بے روزگاری کی شرح کم تھی۔ لبنان اور اردن مذہبی اور سیاسی اعتبار سے غیر مستحکم ممالک ہیں کیونکہ دونوں ممالک میں مختلف مذاہب، نسلوں، فرقوں اور ثقافت کے افراد آباد ہیں۔ تاریخی اعتبار سے سے لبنان، اردن اور شام تینوں ممالک میں سیاسی اور مذہبی انتشار کے واقعات رونما ہو چکے ہیں اس کے باوجود مذہبی رواداری کا عنصر موجود ہے۔ شام کی خانہ جنگی سے قبل لبنان اور اردن میں پہلے ہی فلسطینی مہاجرین خیمہ بستیوں میں مقیم تھے جن کی بنیادی ضروریات اور دیکھ بھال کی ذمہ داری دونوں ممالک کی معیشت کے ذمہ تھی، جس کی وجہ سے ان ممالک کی معیشت دباؤ کا شکار تھی. مگر شام کی خانہ جنگی کے بعد کثیر تعداد میں شامی مہاجرین لبنان اور اردن کی سرحدوں کو قانونی اور غیر قانونی طریقوں سے پار کرتے ہوئے داخل ہو چکے ہیں اور یہاں سکونت اختیار کرنے کی تگ و دو کر رہے ہیں۔ [23] شامی مہاجرین کی آمد کے بعد ان ممالک میں مہاجرین کے مسائل اور مشکلات میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے کیونکہ شامی مہاجرین آبادی کا حصہ بن چکے ہیں اور مہاجرین کا ایک بڑا طبقہ خیمہ بستیوں میں مقیم ہے۔ شامی مہاجرین کی خیمہ بستیاں فلسطینی مہاجرین کے ساتھ آباد ہیں جہاں مہاجرین انتہائی محدود وسائل کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے امدادی سہولتوں کی وجہ سے مہاجرین کو امداد میسر آتی ہے لیکن کثیر تعداد ہونے کی وجہ سے یہ امداد ان کے لئے ناکافی ہے۔ بعض غیر قانونی اور دہشتگرد مہاجرین لبنان اور اردن کی سرحد کو پار کر کے ملک میں داخل ہو چکے ہیں جو کہ دہشت گردی اور بدامنی کا سبب بھی بن رہے ہیں۔ یہ دہشت گرد اور غیر قانونی مہاجرین خیمہ بستیوں میں رہتے ہیں اور مختلف جرائم کی باقاعدہ منصوبہ بندی کرتے ہیں تاکہ عرب ممالک کی خانہ جنگی میں مزید اضافہ ہو۔ اس مقصد کے لیے دہشتگرد مہاجرین خیمہ بستیوں میں مقیم مہاجرین سے مختلف تخریب کاری اور جرائم کے کام کرواتے ہیں۔ اس صورتحال کو دیکھ کر لبنان اور اردن کی حکومت خیمہ بستیوں کی اصلاح کی جانب توجہ نہیں دیتی اور عوام شامی مہاجرین کو سماج میں انتشار اور تخریب کاری کا سبب سمجھتی ہے۔ خیمہ بستیوں میں مقیم شامی مہاجرین انتہائی محدود وسائل اور غربت کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں جس کی وجہ سے والدین اپنے بچوں کو مزدور طبقے کا حصہ بنا رہے ہیں تاکہ یہ بچے اپنے خاندان کی کفالت کر سکیں۔ مختلف تحقیقاتی اداروں کی طرف سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ لبنان اور اردن میں بچوں کو مزدور طبقہ میں ملازمت ملنے کا

(23) لبنان میں شامی مہاجرین کی تعداد دس لاکھ ہو گئی، 3 اپریل 2014، https://www.bbc.com/urdu

رجحان بڑھتا جارہا ہے کیونکہ وہ کم اجرت پر مزدوری کرتے ہیں اور ملکی حکام ان بچوں کے قانونی یا غیر قانونی ہونے کے بارے میں پوچھ گچھ بھی نہیں کرتے۔[24] دوسری جانب شہری علاقوں میں شامی مہاجرین آبادی میں اضافے کا سبب بنے ہیں جس کی وجہ سے لبنان اور اردن کی معیشت مزید کمزور ہو چکی ہے کیونکہ شہر میں رہنے والے مہاجرین مختلف سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں ملازمتوں کے حصول کے لیے تگ و دو کرتے ہیں اور حکومت کے پاس ملازمت کے مواقع محدود ہیں۔ایسی صورتحال میں ان دونوں ممالک میں بے روزگاری کی شرح ترکی سے بھی زیادہ ہے۔شام میں خانہ جنگی سے پہلے لبنان، اردن اور شام تینوں ممالک کے درمیان تجارتی تعلقات استوار تھے لیکن خانہ جنگی کے بعد تمام تجارتی راستے تباہ و برباد ہو چکے ہیں، جس کے بدترین نتائج لبنان اور اردن کی معیشت اور تجارت پر اثرانداز ہوئے ہیں۔شہروں میں مہاجرین کی آمد سے سماجی اور مذہبی تناؤ اور تعصب میں بھی اضافہ ہوا ہے، مقامی لوگ شامی مہاجرین کی آمد کو سماج اور معیشت کے لئے بوجھ سمجھتے ہیں اور وہ اپنی ثقافت اور معاشرتی معاملات میں مہاجرین کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے۔اسی طرح بعض مذہبی تنظیمیں فرقہ وارانہ فسادات قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ خانہ جنگی میں فرقہ وارانہ پہلو ختم نہ ہو اور مزید مذہبی انتشار معاشرے میں پھیلے اور بدامنی کا سلسلہ جاری رہے۔مختلف مذہبی تنظیموں کی سرگرمیوں اور عوام کے رجحان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض سیاسی تنظیمیں انتخابات سے پہلے عوامی حمایت حاصل کرنے کے لیے شامی مہاجرین کے خلاف ملک بدری کی تحریک چلاتی ہیں تاکہ سیاسی انتخابات میں کامیابی حاصل کر سکیں۔اس طرح لبنان اور اردن میں مذہبی اور سیاسی تنازعات کی وجہ سے شامی مہاجرین کی حالت زار دیگر ممالک کی بنسبت بہت زیادہ خراب ہے لیکن ترقی یافتہ ممالک شامی مہاجرین کی فلاح و بہبود کے لیے مختلف عالمی فلاحی تنظیموں مثلاً : (UNICEF),(ILO: INTERNATIONAL LABOUR ORGANIZATION),(UNHCR) کے ذریعے فنڈ فراہم کرتی ہیں جس کی وجہ سے لبنان اور اردن میں شامی مہاجرین کی بہتری کے لیے اقدامات جاری وساری ہیں تاکہ حالات مزید کشیدہ اور بدحالی کا شکار نہ ہو سکیں۔[25]

### مصر میں شامی مہاجرین کی ہجرت اور مشکلات:

دوسری جانب شامی مہاجرین کی آبادکاری اور امداد کے حوالے سے 2011ء میں مصری حکومت کی پالیسی دیگر اسلامی ممالک سے مختلف رہی ہے۔سن 2011ء سے 2012ء کے درمیانی عرصے میں مصری حکومت شامی مہاجرین کی ہمدرد

(24)اردن کے صحرا میں شامی پناہ گزین، جولائی 2012ء، https: //www.bbc.com/urdu/world/2012/07/120730_jordan_camp_mb

)25( Policy brief: Impact of Syrian refugees on host communities, January 1, 2016,page: 2-7, https: //www.rescue.org/report/policy-brief-impact-syrian-refugees-host-communities

اور خیر خواہ تھی۔ اس عرصے میں مصری حکومت نے شامی مہاجرین کی بڑی تعداد کی اپنے ملک میں میزبانی کی ہے لیکن دیگر ممالک کی میزبانی سے اگر موازنہ کیا جائے تو مصری حکومت نے شامی مہاجرین کی امداد کے حوالے سے مختلف حکمت عملی اختیار کی تھی۔ اس حوالے سے سب سے پہلے مصری حکومت نے شامی مہاجرین کے قیام کے لیے خیمہ بستیاں قائم نہیں کیں بلکہ انہیں مصری عوام کے ساتھ سماجی رواداری قائم کرنے کے لئے انہیں مناسب رہائش کے گھر کرائے پر مہیا کیے۔ اس لحاظ سے جن شامی مہاجرین کی دسترس میں رہائش کی سہولت اختیار کرنا تھی، انہوں نے مصر میں قیام کرنا شروع کر دیا اور بعض شامی مہاجرین اپنے رشتہ داروں کے توسط سے مصر میں آباد ہونا شروع ہو گئے۔ جو شامی مہاجرین بے سروسامانی کے عالم میں مصر پہنچے، انہیں مختلف فلاحی تنظیموں کے ذریعے رہائش اور دیگر سہولیات مہیا کی گئی لیکن اس کے باوجود مصر میں شامی مہاجرین کے لئے رہائش کی سہولیات حاصل کرنا آسان نہیں تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ابتداء میں مصری حکومت کے دوستانہ رویے کو دیکھتے ہوئے شامی مہاجرین نے بڑی تعداد میں مصر کی جانب ہجرت کی تھی، جن میں سے بیشتر مہاجرین انتہائی غربت کی حالت میں تھے جو رہائش کے اخراجات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ جس کی وجہ سے شامی مہاجرین کی کثیر تعداد مصر میں آباد نہیں ہو سکی، تاہم 2012ء کی مصری حکومت نے شامی مہاجرین کے مسائل اور مشکلات کو حل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مصر میں 2013ء کے سیاسی انتخابات میں نئی حکومت قائم ہوئی جنہوں نے سابقہ حکومت کی سیاسی اور سفارتی اصلاحات اور اقدامات کا خاتمہ کرتے ہوئے شامی مہاجرین کی آبادکاری کے حوالے سے پالیسیوں کو تبدیل کر دیا۔ اس حوالے سے جو شامی مہاجرین مصر میں رہائش اختیار کر چکے تھے، ان کے قیام کو عارضی نوعیت کے قیام میں تبدیل کر دیا گیا اور دوسری جانب شامی مہاجرین کے لیے مصر میں رہائش اور قیام کے تمام مراحل کو انتہائی محدود کر دیا گیا، جس کی وجہ سے شامی مہاجرین کو مصری حکومت کی طرف سے سخت مایوسی اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ شامی مہاجرین کی آمد اور امداد کے حوالے سے مصری حکومت کے سخت اصول و قوانین اور محدود وسائل کو دیکھتے ہوئے بیشتر مہاجرین نے یورپی ممالک کی جانب ہجرت کا آغاز کر دیا ہے تاکہ ترقی یافتہ ممالک سے ملنے والی سہولیات کو حاصل کر سکیں۔[26]

## غیر اسلامی ممالک میں شامی مہاجرین کی ہجرت اور مشکلات:

سن 2011ء-2014ء کے درمیانی عرصے میں شامی مہاجرین کی ایک بڑی تعداد نے غیر اسلامی ممالک کی طرف ہجرت کی تھی کیونکہ ہمسائے اسلامی ممالک میں مہاجرین کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے بیشتر ہمسائے ممالک نے شامی مہاجرین کو اپنے ملک میں پناہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ غیر اسلامی ممالک میں امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا، کینیڈا اور سویڈن کے ممالک نے

) 26(Mazen Hawamdeh,Ahmad al Qateishat,Research article: The Impact of Syrian Refugee Crisis On Neighboring Countries,page: 551

شامی مہاجرین کی محدود تعداد کو اپنے ملک میں آبادی کے درمیان قیام کی اجازت دی ہے اور امریکہ اور برطانیہ کے فلاحی ادارے شامی مہاجرین کی امداد اور آبادکاری کے حوالے سے شام کے ہمسائے اسلامی ممالک کو مالی امداد فراہم کر رہے ہیں تاکہ ترقی یافتہ ممالک میں مہاجرین کی آبادی میں اضافہ نہ ہو۔ ان میں سے بعض مہاجرین عارضی طور پر غیر اسلامی ممالک میں مقیم ہیں جبکہ بعض مہاجرین مستقل بنیادوں پر غیر اسلامی ممالک میں شہریت حاصل کر چکے ہیں، جہاں انہیں مقامی لوگوں کی طرح تمام بنیادی سہولیات حاصل ہیں۔ شام کی خانہ جنگی کے نتیجے میں مہاجرین کی تعداد اربوں سے بھی زیادہ ہے، جن کو عالمی دنیا میں رہائش اور مستقل بنیادوں پر ضروریات فراہم کرنا تمام ممالک کے لیے مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ بیشتر اسلامی اور غیر اسلامی ممالک نے شامی پناہ گزینوں کو اپنے ملک میں جگہ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ ان ممالک کے نام مندرجہ ذیل ہیں: جاپان، کویت قطر، رشیا، سعودی عرب، دبئ چائنہ اور انڈیا۔ یہ وہ ممالک ہیں جہاں شامی مہاجرین بحیثیت مہاجر کے داخل نہیں ہو سکتے، البتہ ان ممالک کی طرف سے مالی امداد مختلف فلاحی تنظیموں کو ملتی ہیں جو مہاجرین کی آبادکاری کے حوالے سے کام کرتی ہیں۔ اس اعتبار سے شامی مہاجرین کے لیے عالمی دنیا میں رہائش اور سہولیات سے آراستہ زندگی حاصل کرنا انتہائی مشکل عمل بن چکا ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک شامی مہاجرین کو اپنے ملک میں قانونی طور پر داخلے کی اجازت اس لیے نہیں دیتے ہیں تاکہ دہشت گردوں اور تخریب کاروں کو ان کے ملک میں داخل ہونے کا موقع نہ مل سکے اور سماجی امن میں کسی قسم کا بگاڑ پیدا نہ ہو۔ دوسری جانب 2015ء میں (EU Civil Protection and Humanitarian Aid Oprations) کی طرف سے شامی مہاجرین کی امداد کے لیے ایک پروگرام تشکیل دیا گیا ہے، جس کے تحت یورپی ممالک میں ابتدائی طور مہاجرین کو خیمہ بستیوں میں رجسٹرڈ کرنے کے بعد قیام کی اجازت دی گئی ہے، جہاں یورپی ممالک کی طرف سے مہاجرین کو سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر زبردست امداد دی جارہی ہے۔ یورپ میں جرمنی نے تمام اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کے مقابلے میں سب سے زیادہ شامی مہاجرین کی آبادکاری اور ان کی امداد کے حوالے سے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ابتدائی طور پر شامی مہاجرین جرمنی میں خیمہ بستیوں میں مقیم ہوئے لیکن بعد میں رفتہ رفتہ جرمنی کی حکومت نے شامی مہاجرین کو مقامی آبادی کے ساتھ رہائش کی اجازت دے دی۔ جرمنی میں شامی مہاجرین کو اعلی تعلیم حاصل کرنے اور اعلی شعبہ جات میں نوکریوں کے حصول کے مواقع حاصل ہیں۔ اسی طرح جرمن حکومت مہاجرین کو مختلف کاروبار اور تجارت کرنے کے لیے مالی طور پر بھی تعاون کرتی ہے، حتی کہ بعض مہاجرین جرمن شہریت حاصل کرنے کے بعد مقامی افراد بن چکے ہیں۔ اس طرح شامی مہاجرین کی ایک کثیر تعداد جرمنی کے ایک مخصوص خطے میں آباد ہے۔[27]

)27( Nicole Ostrand,Research Article: The Syrian Refugee Crisis: A Comparison of Responses by Germany,Sweden,the United Kingdom and the United States,page no: 20-11

**مذکورہ بالا مقالے کا تجزیہ:**

- سرزمین شام اسلامی تاریخ کے اعتبار سے انتہائی زرخیز اور اسلامی دور حکومت کی ایک بہترین یادگار ہے۔ دور فاروقیؓ میں سرزمین شام کی فتوحات کے بعد یہاں اسلامی نظام اور ثقافت کو بے مثال طرز پر تعمیر کیا گیا، جس کے اثرات آج بھی شام کے شہر دمشق میں واضح نظر آتے ہیں۔ دوسری جانب قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احادیث میں سرزمین شام کو مقدس ٹھہرایا گیا ہے اور دنیا کے سیاسی اور سماجی حالات و واقعات کا مرکز بھی اسی سرزمین کو ٹھہرایا گیا ہے۔ ابتدائی دور کے اعتبار سے اگر شام کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو وہاں اسلامی دور حکومت مستحکم طریقے سے قائم تھا اور کسی قسم کی سیاسی اور مذہبی منافرت کا جذبہ حکومتی افراد اور عوام الناس میں موجود نہیں تھا۔ امیر معاویہؓ کے دور میں ملک شام اسلام کا دارالحکومت تصور کیا جاتا تھا، جہاں ہر شعبے میں اسلامی تعلیمات نافذ العمل تھیں اور سیاسی حالات میں امن وامان برقرار تھا۔
- دور فاروقیؓ سے لے کر عباسی دور خلافت تک ملک شام کے اندر کسی بھی قسم کی خانہ جنگی کے اثرات نہیں ملتے ہیں بلکہ تمام اسلامی خلیفہ نے ہر ممکن آپس کے اختلافات کو ختم کرنے کے لیے مصالحت اور معاونت کو ترجیح دی ہے، تاکہ امت مسلمہ آپس میں دست و گریباں ہو کر ایک دوسرے کا خون نہ بہائے۔ ابتدائی دور کے تمام خلفائے راشدین نے ملک شام کو عسکری اعتبار سے اتنا مضبوط اور مستحکم بنایا تھا کہ یورپی یا مغربی سازشیں مسلمانوں کے درمیان نفاق قائم نہیں کر سکتی تھیں اور بیرونی اعتبار سے بھی شام کے شہروں پر حملہ کرنا اور مسلمانوں کے ساتھ معرکہ آرائی کرنا کافروں کے لئے ناممکن تھا۔
- شام کے شہروں کے اندر مذہبی مدارس اور مکاتب، مفکر اور مفسر، محدثین اور فقہاء کی کثرت پائی جاتی تھی، جنہوں نے عوام الناس کے ایمان اور عمل کی اصلاح کر کے انہیں عملی اعتبار سے مضبوط کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ شام میں مذہبی اور دنیاوی علم وفنون کو بے انتہا ترقی حاصل ہوئی۔

چنانچہ اگر تاریخی اعتبار سے شام کے موجودہ حالات کا موازنہ کیا جائے تو اس وقت شام میں مذہبی منافرت، فرقہ واریت اور خانہ جنگی جیسے مسائل موجود ہیں۔ دوسری جانب یورپی اور مغربی سازشوں کی وجہ سے ان حالات کو اس قدر اشتعال انگیز بنا دیا گیا ہے کہ آج پوری امت مسلمہ کے لیے ان حالات کو اسلامی طرز کے مطابق ڈھالنا اور سنوارنا ناممکن ہو چکا ہے۔ شامی مہاجرین کی بڑی تعداد کی ہجرت اور بے سروسامانی نے مسلمانوں کے مسائل میں بے پناہ اضافہ کیا ہے کیونکہ پڑوسی اسلامی ممالک کے پاس مسلمان مہاجرین کے ضروریات پوری کرنے کے لیے وسائل کی بے انتہا کمی ہے۔ مسلم ممالک اور مسلمان مہاجرین کے مسائل میں اضافے کی ایک بنیادی وجہ نااتفاقی اور اتحاد کی کمی ہے جس کی وجہ سے عدم تعاون جیسے رویے دیکھنے میں آتے ہیں اور اس کے برے اثرات مہاجرین پر اثرانداز ہو رہے ہیں، لہذا مسلمانوں کو اپنی اندرونی اور خارجی معاملات کو اصلاح کرنے کی فوری ضرورت ہے۔ اسی طرح سے موجودہ دور کے اسلامی حکمرانوں کے مغربی حکمرانوں اور یورپی افکار و خیالات سے اس حد تک متاثر اور

مرعوب ہیں کہ وہ مسلمانوں کے مفادات اور اصلاحات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور صرف اپنے اقتدار کو مغربی حکمرانوں اور یورپی افکار سے مربوط کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ مسلم حکمرانوں کے اس رویے نے موجودہ دور میں اسلامی طرز حکومت اور عوام کی فلاح و بہبود کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے جس کی وجہ سے آج امت مسلمہ کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔